پنجاب: تہذیبی و ثقافتی اور اسلامی پس منظر کی روشنی میں

محمد زمان چیمہ☆

Abstract

Punjab means the land of five rivers and so has been named after its famous five rivers. These rivers have not only been its boundary line but also source of its fertility and greenery. Its richness had been fascinating to all invaders in the past. It has been the hub of cultural activities and religious fervor too. Different religions have been in practice here but with the introduction of Islam, it turned out to be the centre of Islam. Islam has left indelible imprints on the local culture and civilization. This article is a study of culture and civilization of the Punjab with a special reference to its Islamic background..

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا کے مطابق لفظ ''پنجاب'' کا اولین استعمال ابن بطوطہ کے سفرنامے میں ملتا ہے۔ ابن بطوطہ کی آمد پاک و ہند میں چودھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ اصل عبارت یوں ہے۔

"The first known use of it occurs in the writings of the Muslim traveller, Ibn-Buttutah, who visited India in the 14th century.(1)

مفتی غلام سرور لاہوری کے مطابق ''پنجاب'' اس ملک کا نام عہد اکبری (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) سے قرار پایا۔(۲) اکبر کے عہد میں اگرچہ پنجاب کی سرزمین متوازی طور پر تقریباً دو

☆ لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ اسلامیہ پوسٹ گریجوایٹ کالج، گوجرانوالہ

حصوں میں منقسم تھی، مگر بحیثیت مجموعی اسے پنجاب ہی کہا جاتا تھا۔(۳) عین الحق فرید کوٹی کے مطابق ''پنجاب'' کی اصطلاح غالباً اکبر کے دور سے پہلے رائج نہ تھی۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق ''جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء) سے پہلے اس علاقے کو اس نام سے کبھی یاد نہیں کیا گیا۔ جہانگیر ہی غالباً پہلا شخص ہے جو اپنی توزک میں اس علاقے کو اس نام سے یاد کرتا ہے اور یہ نام ''پنج'' اور ''آب'' یعنی پانچ پانی جس سے مراد پانچ دریا لیے جاتے ہیں، فارسی کے دو کلمات سے مرکب ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا یہ نام کسی فارسی دان ہی نے رکھا ہوگا۔ ورنہ عہد قدیم میں یہ نام کہیں دستیاب نہیں ہوتا''۔

پنجاب فارسی زبان کا لفظ ہے جو کہ ''پنج'' اور ''آب'' سے مرکب ہے۔ جہاں تک اس خطہ ارضی کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے، اسے اس کے معنوی مفہوم یعنی ''پانچ دریاؤں کا ملک یا سرزمین'' ہی میں تلاش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی سیاسی حدود مختلف زمانوں میں مختلف رہیں لیکن اصل پنجاب پانچ دوآبوں کا علاقہ ہے۔

تاریخی دور قبل از اسلام

پنجاب کی تاریخ کا ابتدائی دور تاریکی میں چھپا ہوا ہے، البتہ محکمہ آثار قدیمہ کی کوششوں سے جو آثار برآمد ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس علاقے میں انسانی آبادی قدیم ترین عہد ہی میں موجود تھی۔(۴)

۱۔ راولپنڈی کے قریب وادی سوان میں قدیم حجری (Palacolithic) ثقافت کے آثار ملے ہیں، جو ماہرین کے اندازے کے مطابق دو سے چار لاکھ سال پرانی ہے۔(۵)

۲۔ ہڑپہ (ضلع ساہیوال) کی کھدائی سے تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح کے آثار دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ موہنجو ڈارو (سندھ) کے آثار سے مشابہ ہیں اور پیتل کے زمانے (Chaleolithic Period) کے عروج کی حالت پیش کرتے ہیں۔(۶)

رامائن اور مہابھارت کے مطابق پنجاب کے مختلف دریاؤں کے کنارے آباد خودمختار آریا راجاؤں کی ریاستوں میں سے ایک بڑی ریاست گندھارا تھی جس کا دارالحکومت تک شیلا

(ٹیکسلا) تھا اور یہ مغربی پنجاب، صوبہ سرحد اور آزاد قبائل کے علاقہ پر مشتمل تھی۔فریدوں پہلا ایرانی فرمانروا تھا جس نے تقریباً ۷۵۰ق م میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔(۷)اس کے بعد روایات کی رو سے سائرس افراسیاب اور دارا نے بھی اس علاقے پر فوج کشی کی۔دارا کے زمانے میں لاہور، ملتان، اور غالباً گجرات کے صوبے ایرانیوں کے زیرنگیں تھے۔داریوش اوّل (۵۴۱ تا ۴۸۵ق م) نے کشمیر سے جنوب میں سمندر کے ساحل تک اور مشرق میں ستلج اور بیاس تک سارا علاقہ (موجودہ مغربی پاکستان) اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اسے اپنے کتبے میں ''ولایت ہند'' کا نام دیا۔(۸)

سکندر یونانی نے جب ایران فتح کیا تو یہ علاقے دولت ایران سے الگ ہو کر خودمختار ریاستوں میں بٹ چکے تھے جن میں سخت رقابت پائی جاتی تھی۔سکندر کی فوج کشی کی خبر سنتے ہی ریاست تک شیلا (ٹیکسلا) نے اقرار اطاعت کے ساتھ امداد و تعاون کی پیش کش کی اور ۳۲۶ق م میں یونانی فوجیں سندھ عبور کر کے پنجاب میں داخل ہوگئیں۔

۳۲۳ق م میں سکندر کی وفات سے اس کے ہندی مقبوضات میں یورشیں ہونے لگیں باختر (بلخ) کی نیم یونانی ریاست مغربی پاکستان کے علاقے کی وراثت کی مدعی ہوئی لیکن چندر گپت نے یہ علاقہ ریاست کے حکمران سلیوکس سے بزورقوت چھین لی۔

چندر گپت موریا (۳۲۱ق م) کے پوتے اشوک (۲۷۲ تا ۲۳۶ء ق م) نے بدھ مت قبول کر لیا۔ اشوک نے پورے ملک میں عبادت گاہیں اور خانقاہیں تعمیر کروائیں یوں پنجاب میں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا جس کا سب سے بڑا مرکز تک شیلا (ٹیکسلا) تھا۔(۹)

موریا خاندان (۳۲۱ تا ۲۳۲ق م) کے زوال کے بعد باختر (بلخ) کے یونانی حکمرانوں نے کابل اور قندھار فتح کرنے کے بعد مغربی پاکستان کا رخ کیا۔ میناندر (Menander) ۱۵۰ (ق م) نے تقریباً سارے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔(۱۰)

۱۲۲ء میں کنشک (Kanishka ۱۲۰ء۔۱۶۲ء) کی موت کے بعد یہ سلطنت کئی ریاستوں میں بٹ گئی اور چوتھی صدی عیسوی تک پنجاب اور کابل پر شاہی خاندان حکومت کرتا رہا۔
چھٹی صدی عیسوی میں پنجاب ہونوں اور ان کے حلیف گوجروں کی تاخت کا نشانہ بنا۔

راج ترنگنی سے پتا چلتا ہے کہ کشمیر کے راجہ للتا دیتا نے آٹھویں صدی عیسوی میں پنجاب فتح کر لیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں شمالی پنجاب اور صوبہ سرحد میں ایک مضبوط ریاست قائم ہو چکی تھی اس کے حکمرانوں کا مقابلہ سلاطین غزنی سے ہوا۔(۱۱)

تاریخی دور بعد از اسلام

محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جو سرچشمہ فیض جاری کیا تھا وہ تو خشک نہ ہوا لیکن اس کے عرب جانشین اسے وسعت اور گہرائی نہ دے سکے اور جو نہریں اس چشمہ فیض سے نکلی تھیں، وہ ملتان تک آتے آتے خشک ہو گئیں۔ پنجاب اور شمالی ہند کے باقی علاقوں میں آبیاری ان لوگوں نے کی جو عرب سے نہیں بلکہ افغانستان سے آئے تھے اور انہیں بھی یہاں پہنچتے ایک زمانہ لگا۔ امیر سبکتگین (م ۹۹۷ء) کے بعد سلطان محمود (م ۱۰۳۰ء) کی برصغیر پر متعدد یلغاروں سے اسلامی فتوحات کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔

۱۰۲۲ء میں سلطان محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کرتے ہوئے یہاں اپنا والی (گورنر) مقرر کیا۔ اس الحاق سے یہاں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا جسے اسلامی عہد کہا جا سکتا ہے۔(۱۲) اس عہد کو (پنجاب کی حد تک) چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ غزنی دور (۱۰۲۲ء۔۱۱۸۶ء)

۲۔ عہد سلاطین دہلی (۱۱۹۳ء۔۱۵۲۶ء)

۳۔ عہد مغلیہ (چغتائی دور) (۱۵۲۶ء۔۱۷۰۷ء)

۴۔ سکھا شاہی (دور عہد مغلیہ کا زوال) (۱۷۰۷ء۔۱۸۴۹ء)

ہم یہاں صرف پنجاب کے حالات پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے اور ان ادوار کا انتہائی اختصار کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے اپنے اصل موضوع کی طرف بڑھیں گے۔

۱۔غزنی دور (۱۰۲۲ء۔۱۱۸۶ء)

اس دور کا آغاز ۱۰۲۲ء سے ہوتا ہے۔ غزنوی خاندان کے آٹھ سلاطین (مسعود اول تا سلطان ابراہیم) تک پنجاب پر والیوں کے ذریعے حکومت ہوتی رہی۔

مسعود ثالث کے عہد(۱۰۹۹ء تا ۱۱۱۴ء) میں غزنی کے بجائے لاہور کو زیادہ اہمیت ہو گئی۔سلاطین کا زیادہ تر وقت پنجاب میں گزرتا۔غوریوں نے ۱۱۷۳ء میں غزنی اور پھر ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی سلطان خسرو ملک سے لاہور بھی چھین کر غزنوی عہد کا خاتمہ کر دیا۔(۱۳)

۲۔ پنجاب عہد سلاطین دہلی میں (۱۱۹۳ء تا ۱۵۲۶ء)

ترائن کی فیصلہ کن جنگ(۱۱۹۲ء) نے برصغیر کی تاریخ کا رخ بدل دیا اور چھ سال کے عرصے میں بنگال اور شمالی ہند کا وسیع علاقہ سلطان معز الدین سام (م۱۲۰۶ء) نے فتح کر لیا۔ مفتوحہ علاقوں میں قطب الدین ایبک کو نائب السلطنت اور بعد ازاں سلطان معز الدین سام(م۱۲۰۶ء) کے بھتیجے سلطان غیاث الدین محمود نے ایبک کو سلطانی کا خطاب عطا کیا۔(۱۴)

قطب الدین ایبک کی تخت نشینی (۱۲۰۶ء) سے خاندان غلاماں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۲۹۰ء تک رہا اور اس کے بعد مرکز سلطنت دہلی میں مندرجہ ذیل حکمران خاندان برسر اقتدار آئے۔

خاندان غلاماں	۶۰۲ھ/۱۲۰۳	۔	۶۸۹ھ/۱۲۹۰
سلاطین خلجی	۶۸۹ھ/۱۲۹۰ء	۔	۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء
سلاطین تغلق	۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء	۔	۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء
سلاطین سادات	۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء	۔	۸۵۵ھ/۱۴۵۰ء
سلاطین لودھی	۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء	۔	۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء

توسیع سلطنت کے بعد دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔تاہم پنجاب کو اس کے بعد بھی صوبوں تک سلطنت کے بیس کیمپ (Base Camp) کا درجہ حاصل رہا۔بہرحال ترک و افغان سلاطین کا یہ پانچ سو سالہ دور (جس میں پونے دو سو سال تک مسلمان پنجاب تک محدود رہے اور بعد میں دہلی مرکز سلطنت رہا) اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس طویل عرصہ میں پنجاب سیاسی قوت کا سرچشمہ رہا ہے۔(۱۵)

۳۔ پنجاب عہد مغلیہ میں (۱۵۲۶ء تا ۱۷۰۷ء)

پنجاب کے گورنر دولت خاں لودھی (م ۱۵۲۵ء) نے ظہیر الدین بابر (۱۵۲۶۔۱۵۳۰) کو دہلی پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ ۲۱، اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کی پہلی تاریخی جنگ ہوئی۔ ابراہیم لودھی کو شکست اور بابر کو فتح نصیب ہوئی۔ بابر نے دہلی و آگرہ پر قبضہ کر کے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔(۱۶)

اکبر سے مغل شہنشاہیت کا وہ عظیم الشان دور شروع ہوا جس میں جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد تک سلطنت کی حدود پھیلتی ہی چلی گئیں۔ استحکام، خوشحالی اور فارغ البالی کے اعتبار سے یہ تاریخ کا مثالی دور بن گیا۔ پنجاب اب نہ سرحدی علاقہ تھا اور نہ مرکزی مقام، اس لیے اس صوبے کی دفاعی اور سیاسی لحاظ سے وہ اہمیت نہ رہی جو سلاطین دہلی کے زمانہ میں تھی۔(۱۷)

۴۔ سکھا شاہی دور (زوال عہد مغلیہ) ۱۷۰۷ء تا ۱۸۴۹ء

مغلوں کے نظام حکومت کا سب سے نازک مسئلہ وراثت تخت و تاج تھا جو بابر سے لے کر عالم گیر تک ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں سر اٹھاتا رہا۔ لیکن عالمگیر کے بعد جنگوں کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا اس نے دس پندرہ سال میں عظیم مغل سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور زوال و انحطاط کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا۔

عالمگیر کے زمانے میں سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ (۱۶۶۶ء تا ۱۷۰۸ء) ہوئے۔ جنہوں نے ان کو درویشی سے جنگی قالب میں ڈھال کر ملک میں بڑی بدامنی پھیلا دی تھی۔ مغلوں کے دور زوال یعنی اٹھارویں صدی میں سکھوں کی مسلمان دشمنی میں حد درجہ تیزی آ گئی۔ سکھ رہنما بندہ بیراگی کی سرکردگی میں سامانہ اور انبالہ میں مسلمانوں پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جن کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

> "سکھوں کے حملوں اور فتوحات کا بس ایک ہی انداز رہا۔ آرچر لکھتا ہے کہ جب کبھی کسی مفتوحہ علاقہ میں کوئی مسجد شامل ہوتی تھی تو وہ فوراً ڈھا دی جاتی

تھی اور اس کے پہلے محافظوں سے زبردستی اسے سوروں کے خون سے دھلوایا
جاتا تھا''۔(۱۸)

۱۷۶۳ء تا ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے قصور، مالیر کوٹلہ اور سرہند کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔نادرشاہ درانی (م ۱۷۴۷ء) اور احمد شاہ ابدالی (م ۱۷۷۳ء) کے حملوں نے مغل ہندوستان کے شمال مغربی حصہ میں فوج اور انتظامیہ کو مفلوج کر دیا تھا اور سکھوں کو اچھا موقع مل گیا۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں سکھوں کی بارہ فوجی متحدہ مثلوں نے پنجاب کے بیشتر علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

اٹھارویں صدی کے اختتام پر رنجیت سنگھ جیسا سفاک اور ظالم شخص برسراقتدار آیا۔ اس نے پنجاب میں ایک طاقتور سکھ ریاست قائم کی اور شمال مغرب کے قبائلی علاقہ کے ساتھ کشمیر اور لداخ کو بھی اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اگرچہ اس کی فوج میں مسلمان بھی تھے اور دربار میں فقیر عزیز الدین جیسے مشیر کار بھی لیکن اس کا دورِ حکومت اتنا سفاکانہ اور متشدد تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اس سے بدتر زمانہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔(۱۹)

یہ سکھا شاہی دور بھی رنجیت سنگھ کی وفات ۳۰ جون ۱۸۳۹ء کے ساتھ ہی انتشار و بدنظمی کا شکار ہو کر چند برسوں میں ختم ہو گیا۔رنجیت سنگھ کے بعد اس کے نااہل جانشین انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔سکھوں کے سپہ سالار شیر سنگھ اٹاری والا نے ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو مانکیالہ میں انگریز سپاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو گورنر جنرل نے پنجاب کو اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ اس طرح پنجاب نے غزنوی و دہلوی سلاطین اور پھر چغتائی عہد کی طویل خوشحالی و ترقی کے بعد پون صدی تک سکھا شاہی کا جو اذیت ناک دور دیکھا وہ اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے بھیانک مناظر تاریخی عمارتوں کی شکست و ریخت کی صورت میں چھوڑتا ہوا رخصت ہوا۔(۲۰)

پنجاب کی تہذیب قبل از اسلام

پنجاب نہایت قدیم زمانے سے شاندار تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی تہذیب قدامت، معیار، جامعیت، تنوع اور نفاست کے اعتبار سے دنیا کی دیگر معاصر تہذیبوں سے کئی لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اس حقیقت کا اعتراف کونگز مارک (Keonigmark) نے

درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"From the earliest times the rich productivity of the soil had created a civilization and culture of rare splendour and completeness. The great wealth of water promoted trade and traffic, productive too, in its effect on its development was the influence of the many nationalities which, in the course of tens of centuries, irrigated land of five rivers. In constant succession new life always germinated on these centres of old Indian civilization.(21)

ڈیونڈرا ہانڈ (Devendra Handa) کی اس سلسلے میں یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو:

"The Punjab has been cradle of India's earliest cultures.(22)

پنجاب کی تہذیب بعد از اسلام

ہندو معاشرہ ذات پات کے بندھنوں میں جس طرح جکڑا ہوا تھا اس کا اسلامی معاشرے اور تہذیب کے اندر جذب ہو جانا ابتداء میں اتنا آسان نہ تھا، لیکن فاتحین نے مقامی ہندو رعایا سے نرمی، کشادہ دلی اور مہربانی کا سلوک کر کے ڈر اور خوف کی فضا کو بہت جلد دور کر دیا۔(۲۳) ابتداء میں اس عہد کے حکمرانوں کو نہایت مشکلات کا سامنا بھی تھا لیکن انہوں نے اپنے مناسب رویے سے حالات میں سازگاری کے لیے کوششیں کیں۔ جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ یہاں پر اسلامی ثقافت وتمدن کا اثر ونفوذ ہونے لگا۔ خطۂ پنجاب میں ظہور اسلام کے بعد تہذیب وتمدن کا انتہائی مختصر جائزہ درج ذیل ادوار کے حوالے سے لیا جاتا ہے۔

(۱) عرب دور میں پنجاب کی تہذیب (۲) غزنوی دور کی پنجابی تہذیب

(۳) عہد سلاطین کی پنجابی تہذیب (۴) مغلیہ دور کی پنجابی تہذیب

(۵) سکھ عہد میں پنجابی تہذیب (۶) برطانوی عہد میں پنجاب کی تہذیب

(۱) عرب دور میں پنجاب کی تہذیب

برصغیر میں اسلام کا تعارف سب سے پہلے عرب تاجروں کے ہاتھوں ہوا۔ مشرقی اور مغربی ساحلوں پر ان کی مستقل آبادیاں تھیں۔ ۷۱۱ء میں آبنائے ایران کی طرف سے مسلمان حملہ

آوروں نے سندھ فتح کیا اور وہاں آباد ہوئے۔ بعد میں انہوں نے دو جڑواں دارالخلافے، سندھ میں منصورہ (سابق برہمن آباد) کے مقام پر اور پنجاب میں ملتان میں قائم کیے۔ اس طرح جنوبی پنجاب میں اسلام کے تمدنی انقلاب کی راہ ہموار ہوگئی۔(۲۴)

مسلمانوں کے اس علاقے میں مستقل قیام سے یہاں کے بہت سے ہندو اور بدھ مت لوگ مسلمان ہو گئے اور اس طرح عرب ممالک کی اسلامی طرز زندگی سے مختلف یہاں ایک نئی اسلامی طرز زندگی نے جنم لیا، جس میں مقامی روایات، آداب، زبان اور معاشرت کے آداب بھی داخل ہوئے۔ بعد ازاں مسلمانوں نے ملتان اور سندھ کے علاقوں میں جو رفاعی اور تمدنی کارنامے انجام دیئے۔ ان کی وجہ سے ان مسلم علاقوں نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔

ملتان کا عرب دور (۷۱۲ء/۹۳ھ تا ۸۹۲ء/۲۷۹ھ) دراصل اسلامی تمدن کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس میں عربی، ایرانی اور ترک لوگوں کی مقامی لوگوں سے باہمی امتزاج سے ایک نئے اسلامی معاشرہ کی بنیاد پڑی، جس نے آئندہ چل کر یہاں کی قدیم روایات کی بنیاد پر نئی روایات کو جنم دیا۔(۲۵)

(۲) غزنی دور کی پنجابی تہذیب

غزنوی دور میں پنجاب میں کئی غیر ملکی حاکم، فوجی اور تاجر اپنے خاندانوں سمیت یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس طرح مقامی تمدن میں کچھ نئے اثرات داخل ہونے لگے جس کے نتیجے میں یہاں کے آداب و رسوم، تعلیم و تعلم، خوراک و پوشاک، گفت و شنید غرض سبھی میدانوں میں تبدیلی رونما ہوئی۔

اس طرح مقامی ہندو معاشرہ جو جمود کا شکار تھا، ایک بار پھر نشوونما کی راہ پر چل پڑا اور یوں زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی کا واقع ہونا ایک فطری امر تھا۔

البتہ اب دوررس اثرات کا رخ عرب مرکز کے بجائے اب وسطی ایشیاء کی طرف مڑ گیا۔ غزنوی دور میں پنجاب کا صدر مقام لاہور قرار پایا جو بہت جلد مسلمان صوفیاء اور تجار کا مرجع بن گیا۔(۲۶)

(۳) سلاطین دہلی کے عہد میں پنجابی تہذیب

ابتدائی ترک سلاطین نے اپنی ترک خصوصیات اور اسلامی عصبیت کو بڑی شدت سے برقرار رکھا۔ یہ لوگ فاتح تھے اور ایک عظیم الشان تہذیب وتمدن کے نمائندے بن کر یہاں آئے تھے جس سے عرب کا سوز اور عجم کا ساز مل کر ایک نیا اسلوب حیات معرض وجود میں آیا تھا۔ یہ اس زمانے کی ترقی یافتہ اور برتر تہذیب تھی، جس کے سامنے وحشی تاتاری بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ عربی، فارسی، ترکی زبانیں اور ان کا ادب اس تہذیب کی نمائندگی کر رہا تھا۔(۲۷)

اس کے مقابلے میں برصغیر صدیوں سے سیاسی، ذہنی وفکری انتشار میں مبتلا تھا۔محمود غزنوی کے قبضہ پنجاب (۱۰۲۱ء) سے لے کر عہد سلاطین کے خاتمہ (۱۵۲۶ء) تک پنجاب میں بیک وقت اسلامی اور ہندو تمدن کارفرما ہو گئے تھے۔ جو ایک دوسرے کے رسوم، آداب معاشرت، مذہب اور طور طریقوں کو جذب کر رہے تھے۔ اس طرح یہ دو تمدن نظریاتی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے تھے۔جس کی بڑی وجہ ”مسلمان بادشاہوں کی رواداری، مسلمان صوفیاء کا مشفقانہ طریق کار اور ہندو جوگیوں اور مہنتوں کی ساحرانہ روش کارتھی“۔(۲۸)

(۴) مغلیہ دور کی پنجابی تہذیب

مغلیہ دور میں پنجاب کی تمدنی ترقی مثالی تھی، جس میں وسطی ایشیاء کا خون، ایران کا رنگ اور مقامی ذائقہ تھا۔ یہ تمدن بعض ہندو خصوصیات سے بھی مملو تھا۔ البتہ نورجہاں کے خاندان کی مغلیہ سلطنت کی سرگرمیوں میں داخل ہونے سے ایرانی رنگ زیادہ غالب آ گیا۔ مغلیہ دور میں پنجاب کا مرکزی شہر لاہور ایرانیوں کا مرکز بن گیا تو یہاں کے آداب طعام وکلام، آداب مجلس، آداب معاشرت، لباس وپوشاک، وضع قطع، زبان وادب، علوم وفنون، سبھی ایرانی اثرات سے متاثر ہوئے۔ یہاں معاشرے کا ایک نیا رنگ نظر آنے لگا۔(۲۹)

(۵) سکھ عہد میں پنجاب کی تہذیب

۱۷۵۶ء تا ۱۷۹۹ء تک پنجاب بظاہر کابل کے ماتحت ایک صوبہ تھا لیکن عملاً یہاں سکھ

گردی کے تحت خوف و دہشت کی فضا چھائی ہوئی تھی۔تہذیب و تمدن کی عظیم عمارت، جو صدیوں میں جا کر تعمیر ہوئی تھی، متزلزل ہو رہی تھی اور اس کے زمین پر آ رہنے میں کوئی شبہ نہ تھا۔صرف یہ دیکھنا باقی رہ گیا تھا کہ یہ کب گرتی ہے۔ بیرونی حملوں نے اس زوال پذیری کے عمل کو نہ صرف تیز تر کر دیا اور زوال کو، جو بہر حال آنا تھا، سریع تر کر دیا۔

مغلیہ عہد کا خوشحال پنجاب اس دور میں ایسا بد حال ہوا کہ اس پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ رہا۔ ۱۷۹۹ء تا ۱۸۴۹ء تک پچاس سال یہاں رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین حکمران رہے۔ یہ سکھا شاہی دور کہلاتا ہے۔سکھا شاہی کی عکاسی S.S. Thorburn نے درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

> "Every Sikh enjoyed all the privileges of Khalsa citizenship - exemption from taxation, liberty to oppress, and opportunity to live like a freebooter. His (Ranjit Singh's) rule was atyranny of force. He had no system, no conception of duty to his subjects; he and his people gloried in their ignorance; in his time there are no law courts, no schools, no jails in the Punjab.(30)

الغرض مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو ایک بہترین تمدن اور ایک ترقی یافتہ تہذیب اپنے ساتھ لائے۔ اس نے ہندوستانی تہذیب سے مل کر ایسی دلکش و دلفریب تہذیب پیدا کی جس کے جلوؤں سے صدیوں تک ہندوستان جگمگاتا رہا اور جس کی روشنی سے آج بھی زندگی کا کوئی شعبہ خالی نہیں ہے۔

(۶) برطانوی عہد میں پنجابی تہذیب (۱۸۴۹ء۔۱۹۴۷ء)

۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء میں پنجاب انگلشیہ حکومت کا حصہ بنا۔ اب ایک تیسری تہذیب نے بھی اپنے قدم یہاں جمانے شروع کیے۔ یوں پنجابی تہذیب میں ایک تغیر پیدا ہوا۔ مقامی باشندوں میں سے کچھ نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ یہاں گرجا گھر تعمیر ہوئے۔ انگریزی زبان

اور لباس کو اپنایا جانے لگا۔ لوگ اب پنجابی اور اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان بھی سیکھنے لگے۔ اردو اور پنجابی بولتے ہوئے انگریزی کے کئی لفظ استعمال ہونے لگے۔ مغربی تعلیم کے ساتھ ہی مغرب کے فلسفیانہ خیالات بھی تہذیبی زندگی پر اثر انداز ہونے لگے جن کی بدولت مذہبی روایات اور خیالات، معیار زندگی، طرز معاشرت اور علوم وفنون میں گونا گوں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ یہ اثرات سب سے پہلے مذہبی خیالات کی تبدیلی میں ظاہر ہوئے اور طرز معاشرت تک گئے۔(۳۱)

الغرض انگریزی تہذیب کے یہ عناصر یہاں جذب ہونے لگے۔ شعر وادب پر گہرا اثر ہوا۔ ناول، افسانے، شاعری اور ڈرامے پر انگریزی زبان کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہونے لگے۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی محض سیاسی جنگ نہ تھی بلکہ دو تہذیبوں کے مابین آخری کشمکش تھی جس میں بدیسی تہذیب کو فتح مندی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے کہ اب تک ایسٹ انڈیا کمپنی حکمران تھی لیکن اس واقعہ کے بعد ہندوستان کا رشتہ انگلستان کی پارلیمنٹ سے قائم ہو گیا۔ اب برصغیر کی زندگی براہ راست مغرب سے متاثر ہونے لگی یوں یہ تہذیب تاجروں کی نہیں حکمرانوں کی تہذیب بن گئی۔(۳۲)

پنجاب میں ورود اسلام

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد تین واضح مرحلوں میں ہوئی۔ اول وہ جنوبی ہند کے ساحلوں پر بطور تجار اور مبلغین کے آئے۔ پھر بنو امیہ کی فتوحات کے بڑھتے ہوئے ریلے میں آئے جو انہیں دریائے رون، سیر دریا اور دریائے سندھ تک لے آیا اور آخر میں یونانیوں ساکاؤں اور ہنوں کی طرح، زیادہ منظم طریقہ پر، وسطی ایشیاء کے ترکوں اور افغانوں کی فتوحات وہجرت کی تحریک کے سلسلے میں ہندوستان پہنچے۔(۳۳)

فتح سندھ وملتان کے بعد مسلمانوں کی رفتار ترقی بہت سست پڑ گئی اور ملتان سے دہلی پہنچنے میں انہیں کوئی پونے پانچ سو سال لگے۔ یہی سست رفتاری اشاعت مذہب میں بھی نظر آتی ہے۔(۳۴) پاکستان وہند میں اسلام زیادہ تر صوفیائے کرام نے پھیلایا۔ صوفیا کی اشاعت اسلام کی کوششوں کی کوئی خاص مخالفت نہ ہوئی۔ بلکہ ہندوؤں نے ان صوفیوں کو بھی جنہوں نے

اشاعت اسلام میں نام پیدا کیا نگاہ احترام سے دیکھا۔ خطہ پنجاب میں اشاعت دین کی ترویج کا سبب بننے والے درج ذیل صوفیائے کرام کے اسماء شیخ اکرام نے آب کوثر میں رقم کیے ہیں۔

شیخ صفی الدین گازرونیؒ (م۱۰۰۷ء)، شاہ یوسف گردیزی ملتانیؒ (م۱۱۵۲ء)، شیخ اسمٰعیل لاہوری (م۱۰۳۳ء)، شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ عرف داتا گنج بخش (م۱۰۷۲ء)، امام حسن صنعانی لاہوریؒ (م ۶۵۰ ھ)، سلطان سخی سرورؒ (م۱۱۸۱ء)، شیخ عزیز الدین مکی لاہوری (م۶۱۲ ھ)، سید لاہوری (۱۷۷ھ)، شیخ کبیر بابا فرید گنج شکرؒ (م ۱۲۶۵ء)، شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردیؒ (م۱۲۶۲ء)، شیخ صدر الدین (م۱۳۰۹ء) شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ (م۱۳۶۸ء)، سید جلال الدین بخاریؒ (م۱۲۹۱ء)، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (م۱۳۸۴ء)، سید راجو قتال) (م۸۲۷ء)۔(۳۵)

فتح سندھ کے ایک سال بعد یعنی ۹۳ھ (۷۱۳ء) ملتان میں عربوں کی حکومت قائم ہوئی تو اس کا تعلق براہ راست خلافت کے مرکزی شہر دمشق اور بعد ازاں بغداد سے جڑ گیا۔ ملتان کے لیے عربی حکام اور فوجی انتظام و انصرام کے سلسلے میں مقرر ہونے والے عمال اپنے بال بچوں سمیت یہاں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یہاں مدارس اور دوسرے کئی ادارے قائم کیے۔ مسجد یہاں بھی تعلیم و تربیت کا مرکز قرار پائی۔ اس طرح ملتان علماء و فضلاء کا مرکز بن گیا۔ سرکاری، درباری اور تعلیمی امور کی انجام دہی کے لیے عربی زبان کا چلن ہوا۔ قرآن کی تعلیم و تدریس ایک لازمی امر ٹھہرا۔ اس کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط بھی آیا۔(۳۶)

اس زمانے میں ملتان میں فارسی بولنے والوں کے قیام کا بھی پتا چلتا ہے جو کہ کاروبار، ملازمت کے سلسلے میں یہاں آئے تھے یا پھر نقل مکانی کر کے یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ مختلف حوالوں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہاں کے لوگ ابھی کاغذ کے استعمال سے ناواقف تھے کیونکہ قبضہ سندھ کے بعد حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم کو تحریری ہدایات بھیجا کرتا تھا، جس کا جواب محمد بن قاسم ہر تیسرے روز دیا کرتا تھا۔ یہ جواب نیلے رنگ کے چمڑے پر تحریر ہوتا تھا۔(۳۷)

مشہور جغرافیہ نویس مقدسی بشاری کے مطابق:

''ملتان بنو سامہ ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) کے دور میں منصورہ کے بعد دوسرا بڑا مرکز

تھا جہاں اسلامی علوم وفنون اور مسلم تہذیب وثقافت کی بہاریں صدیوں تک قائم رہیں اور یہاں کے دینی رجال نے بڑے بڑے کام کیے۔ یہ حضرات قرآن وحدیث اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدوین میں آگے آگے رہے''۔(۴۸)

ملتان کا عرب دور دراصل اسلامی تمدن کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس میں عربی، ایرانی اور ترک لوگوں کے مقامی لوگوں سے باہمی امتزاج سے ایک نئے اسلامی معاشرہ کی بنیاد پڑی، جس نے آئندہ چل کر یہاں کی قدیم روایات کی بنیاد پر نئی روایات کو جنم دیا۔ اس طرح عربی اور فارسی زبانوں کے اثرات مقامی زبانوں پر مرتب ہوئے جس کے نتیجے میں ٹیکسلا میں جنم لینے والی پراکرت کو نئے محاورے، الفاظ اور تراکیب کا وافر ذخیرہ مل گیا جس سے اس زبان کی نشوونما ہوئی۔

غزنوی دور (۱۰۲۲ء۔۱۱۸۶ء)

غزنوی دور میں لاہور پہلی بار شعر وادب کے مرکز کے طور پر مشہور رہا۔ شیخ علی ہجویری نے تصوف کے موضوع پر برصغیر کی پہلی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب فارسی زبان میں اسی شہر میں بیٹھ کر لکھی۔ مسعود سعد سلمان (۱۰۴۶ء۔۱۱۲۱ء) نے اپنا ''سہ لسانی دیوان'' بھی اسی شہر کی فضاؤں میں رہ کر تخلیق کیا تھا۔ ابو الفرج رونی (م۱۰۹۷ء) بھی اسی عہد میں لاہور کے نامور شاعر تھے۔ ابراہیم غزنوی کے دورِ حکومت (۱۰۵۹۔۱۰۹۹ء) میں لاہور علمی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ مشہور مصنف عوفی کے مطابق لاہور اس زمانے میں علم وفضل کا بڑا مرکز تھا۔ ابراہیم غزنوی کے دورِ حکومت کے وزیر ابونصر فارسی نے لاہور میں ایک خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی جو اہلِ علم کے لیے ایک اہم مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی۔

غزنوی عہد کے لاہور کی کیفیت بیان کرتے ہوئے پروفیسر محمد شجاع الدین رقم طراز ہیں:

''غزنوی دور کی معارف اور علم نوازی کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں۔ اس عہد میں غزنی سلطنت کا دوسرا شہر اور صوبہ پنجاب کا صدر مقام ہونے کے سبب لاہور بھی علم وفضل کا مرکز بن گیا۔ یہاں کے حکام کے درباروں میں

علماء کی کثیر تعداد آنے لگی۔ اس زمانے میں بے شمار مسلمان خاندان، دوسرے ممالک سے تلاش معاش، سرکاری ملازمت یا تبلیغ دین جیسے مقاصد کے لیے لاہور میں آباد ہو گئے۔ مقامی باشندے بھی جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اور یہاں ایک مسلم سوسائٹی وجود میں آ گئی''۔(۳۹)

غزنوی دور میں پنجاب میں ہندی، عربی، فارسی تینوں زبانوں کا رواج تھا۔ فارسی نے یہاں کی مقامی زبان کو متاثر کیا اور خود بھی اس سے متاثر ہوئی۔ البیرونی کے مطابق سنسکرت لکھائی پڑھائی کی مقبول عام زبان تھی۔ فارسی، عربی اور بعض دوسری مقامی زبانیں عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں۔ کاغذ اور تعلیمی مدرسوں کے رواج عام سے کتاب سازی کا فن بڑا مقبول ہوا۔ تاریخ بیہقی کے مطابق اس وقت لاہور میں باقاعدہ دفتر دیوان قائم ہوا تھا۔ قلم و دوات اور کاغذ بھی عمدگی سے دستیاب ہونے لگا تھا۔ لاہور غزنوی دور میں بطور ٹیکسال بھی منظر عام پر آ گیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے اس ٹیکسال سے اپنا ایک سکہ جاری کیا جس کے ایک طرف کی عبارت کوفی رسم الخط میں تحریر تھی۔ سلطان محمود نے اس سکہ پر شہر کا نیا نام محمود پور کر دیا۔(۴۰)

عہد سلاطین

عہد سلاطین کے زمانے میں لاہور شہر اور یہاں کی نوے فی صد آبادی زیور تعلیم سے آراستہ تھی۔ اس عہد کی علمی وتہذیبی جھلکیاں تاج الدین حسن نظامی کی کتاب ''تاج المآثر'' میں ملتی ہیں۔ فخر مدبر نے اپنی کتاب ''شجرۃ النساب'' یا ''بحر الانساب'' بارہ سال کی محنت شاقہ اور ایک ہزار کتابوں کے مطالعہ کے بعد لاہور میں بیٹھ کر تالیف کی۔ یہ کتاب اس نے سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں پیش کی۔ سلطان یہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے مؤلف کو انعام و اکرام سے نوازا اور حکم دیا کہ اس کا ایک نسخہ اہتمام سے شاہی کتب خانہ کے لئے تیار کیا جائے۔ سلطان قطب الدین ایبک کے جانشینوں کے زمانے میں بھی لاہور کی علمی وتمدنی روایات برقرار رہیں لیکن بدقسمتی سے ۱۲۱۸ء سے پنجاب پر چنگیزی منگولوں کے حملوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں لاہور اور پنجاب کے دوسرے علاقے تاخت وتاراج ہو گئے۔ عہد سلاطین کے

پنجاب کی علمی و دینی جھلک اکرام علی ملک نے تاریخ پنجاب میں کچھ اس طرح سے پیش کی ہے:

''دور سلاطین میں بزرگان دین کی ریاضت اور عوامی رابطے سے پنجاب میں اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی اور یہاں اسلامی تہذیب و معاشرت کے نقوش اجاگر ہونے لگے۔ توحید کے نغموں نے انسانی مساوات اور بھائی چارہ کا سبق عوام کے دلوں میں پیدا کیا۔ زبان و ادب میں اسلام کے روحانی و اخلاقی تصورات منعکس ہوئے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے بعض اقوال و ارشادات فارسی تذکروں میں ملتے ہیں، جو پنجابی اور اردو زبان کے ابتدائی نقوش ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان درویشوں کے آستانوں میں رشد وہدایت کے لئے عوامی بھاشاؤں سے بھی کام لیا جاتا تھا اور یہاں کی مقامی بولیوں پر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات روز بروز گہرے ہوتے جارہے تھے''۔(۴۱)

بخشیش سنگھ نجر نے غزنوی و سلاطین دہلی کے عہد کی علمی حیثیت پر کچھ اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

''محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے زمانے سے پنجاب میں مسلم معاشرہ پنپنے لگا تھا اور یہاں مسلم معاشرہ کے قیام کے نتیجے میں زبان اور رسم الخط کے میدان میں بھی انقلاب آیا۔ اب سنسکرت کی بجائے عربی اور فارسی زبانوں کے پڑھنے اور سیکھنے پر زور دیا گیا۔ فارسی زبان کو بحیثیت سرکاری زبان بہت فروغ ملا۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی اس میں تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ عربی کی تعلیم دینی مدارس میں جاری رہی البتہ ذریعہ تعلیم پنجابی زبان ہی رہی۔ مقامی پراکرتیں ان زبانوں سے متاثر ہوکر نشو و ترقی کی راہ پر گامزن ہوئیں۔ البتہ سنسکرت زبان کی درس و تدریس ہندوؤں میں بدستور جاری رہی اور مسلمانوں نے اس زبان کی کتابوں کے تراجم کا آغاز کردیا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے پنجاب میں شرونتی، شاردا،

دیوناگری اور برہمی رسم الخط جاری تھے لیکن عہد سلاطین میں یہاں کا کاروبار عربی رسم الخط میں جاری ہوا۔(۴۲)

عہد چغتائی میں مذہبی دنیا میں بھی ایک انقلاب برپا ہوا۔ اس کی ایک وجہ تو اکبر کا دین الٰہی تھا جس سے مذہبی انتشار اور غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ اکبر کے اس نئے خیال کی پنجاب کے علماء نے بھی بڑی مخالفت کی۔ جن میں مخدوم الملک سلطان پوری، قاضی صدرالدین، قاضی عبدالشکور اور کمال الدین کشمیری جیسے نامور علماء شامل تھے۔ لاہور کے گورنر قلیچ خان نے بھی ان خیالات کی مخالفت کی۔(۴۳)

اکبری دور میں پنجاب میں شیعی نظریات کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی زمانے میں جیسوائٹ مشن لاہور آیا۔ جس نے لاہور میں پہلا عیسائی تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ میں اکبر کے فرزند دانیال نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس ادارہ کے قیام کی وجہ سے پنجاب میں عیسائی مذہب کو اشاعت کا موقع ملا۔(۴۴) علاوہ ازیں اس دور میں پنجاب میں علماء، فضلاء، ادباء، شعراء اور دوسرے اہل ہنر سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ مسلمانوں اور ہندو مصنفین نے فارسی زبان میں شعر و ادب کا گرانقدر سرمایہ تخلیق کیا۔ بے شمار عربی تصانیف بھی منظر عام پر آئیں۔ پنجابی زبان میں کتابوں کی تصانیف کے کام کا آغاز ہوا۔ لاہور کے علاوہ سرہند، ملتان، جالندھر، سیالکوٹ، بٹالہ، قصور، سوہدرہ، حافظ آباد، شیخوپورہ، پسرور، ایمن آباد بھی اس دور کے مشہور قصبات تھے۔(۴۵)

سکھ دور

سکھ دور میں بھی فارسی زبان کی سرکاری حیثیت بدستور قائم رہی۔ درس وتدریس میں بھی یہ زبان شامل رہی۔ پنجابی اور اردو زبانوں میں درس وتدریس ہوتی رہی۔ درس وتدریس میں عربی زبان اور قرآنی تدریس حسب دستور جاری رہی۔ سکھ دور میں اگرچہ سیاسی مصلحت کی بناپر گورمکھی کو سرکاری زبان کے طور پر اپنانا ترک کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود گورمکھی رسم الخط کو بڑی

ترقی ملی اور یہاں بے شمار کتابیں اس رسم الخط میں تحریر ہوئیں۔کتابوں میں مصوری کا گذشتہ سلسلہ جاری رہا مگر ان کا ایک علیحدہ سٹائل تھا جو معیار میں بہر حال کمتر اور موضوعات کے اعتبار سے منفرد ہے۔مہاراجہ رنجیت سنگھ نے خصوصی طور پر ایک قرآنی نسخہ تیار کروایا اور یہ نسخہ اپنے وزیر فقیر سید نور الدین کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا۔سکھ عہد کے نسخوں کے مجموعی جائزے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں بڑے حجم کے نسخے تیار کرنے کا رجحان بڑا غالب تھا۔تاہم اس زمانے میں معیار کتابت اور نقاشی رو بہ زوال تھی۔(۴۶)

برطانوی دور میں پنجاب کی دینی و اسلامی حیثیت

تعلیم و تعلم ہماری تہذیب کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہاں جو مکتب اور مدرسے تھے سرکار نے انہیں بالالتزام ختم کرنے کی کوشش کی۔اس کا ثبوت پنجاب کے پہلے ناظم تعلیمات عامہ مسٹر آرنلڈ کی رپورٹ سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۸۵۷ء میں مرتب کی۔اس میں انہوں نے لکھا:

> ''معلمی کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔مسلمان طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ہندو طالب علموں کو بھی مسلم اساتذہ پر بے حد اعتماد ہے۔وہ اسلامی مدارس میں بڑی تعداد میں فارسی پڑھتے ہیں۔اگر اس چیز کو اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا تو حکومت کی تمام طاقت مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گی۔یہ ایسا میلان ہے جسے جلد روکنے کی ضرورت ہے''۔(۴۷)

مزید یہ کہ ۱۸۶۱ء میں تعلیمات عامہ کے ڈائریکٹر کپتان فلر نے اپنی رپورٹ میں تحریر کیا:

> ''مسلمان اساتذہ بکثرت ان درس گاہوں میں ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ان کی اکثریت بالکل واضح ہے۔محکمہ میں تین سو چونتیس مسلمان استاد ہیں۔گیارہ ہندو اور چھ دوسرے فرقوں کے۔ابھی اس نسبت کو مساوی کرنے کا موقع نہیں ملا۔حلقہ انبالہ کے سوا دیسی زبانوں کی تعلیم ہر جگہ مسلم اساتذہ

کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک یہ استاد ہر دلعزیز ہیں ہم ان کی جگہ دوسری قوموں کے اساتذہ مقرر نہیں کر سکتے۔ البتہ افسران ضلع رفتہ رفتہ راستہ صاف کر کے تبدیلی کے امکانات پیدا کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کو ٹریننگ سکول جانے کا شوق دلائیں اور جو سکول مسلم استادوں کے تقرر پر زیادہ اصرار نہ کریں وہاں ہندو استاد متعین کئے جائیں''۔(۴۸)

بہر حال انگریزوں نے منظم طریقے سے مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں کمزور کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ ان کے مدارس بند ہونے لگے اور وہ تہذیبی زندگی میں اپنے آپ کو ہندوؤں سے کمتر محسوس کرنے لگے۔ فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے بے دخل کر کے اس کی جگہ انگریزی کو دے دی گئی تھی اسی طرح جب مسلم قانون کی جگہ انگریزی قانون آیا تو مسلم قاضی بے روزگار ہو گئے علاوہ ازیں ایسی ماتحت آسامیاں جو ہندوستانیوں کے لئے اب تک کھلی ہوئی تھیں اور جن کی تنخواہیں بہت حقیر تھیں۔ ہندو آبادی کے حصہ میں آئی تھیں۔(۴۹)

شیخ محمد اکرم نے ''موج کوثر'' میں کلکتے کے ایک اخبار کی شکایت نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''اب یہ حالت ہے کہ حکومت سرکاری گزٹ میں مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے علیحدہ رکھنے کا کھلم کھلا اعلان کرتی ہے۔ چند دن ہوئے کمشنر صاحب نے تصریح کر دی کہ یہ ملازمتیں ہندوؤں کے سوا کسی کو نہ ملیں گی''۔(۵۰)

اسی طرح مزید ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

''۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۸ء تک جن ہندوستانیوں کو وکالت کے لائسنس ملے ان میں ۲۳۹ ہندو تھے اور ایک مسلمان حالانکہ ایک زمانہ تھا کہ یہ پیشہ بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا''۔(۵۱)

بہر حال انگریزوں کو اس بات کا یقین تھا کہ برطانیہ کے خلاف ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے لیے مسلمان ذمہ دار تھے۔ اس لیے انہیں سفاکانہ سزاؤں اور بے رحمانہ انتقام کا ہدف بنایا گیا۔

زندگی کے ہر شعبہ میں جہاں حکومت کی سرپرستی لازم تھی، مسلمانوں پر تمام دروازے بند ہو گئے۔ مسلمانوں کو شکار کی طرح گھیر کر روزگار اور مواقع کے میدان سے باہر نکال دیا گیا۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف ظلم ڈھائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو اپنے تشخص کی بقا کے لیے آزاد ریاست کا مطالبہ کرنا پڑا اور طویل جدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد قائداعظم کی رہنمائی میں بالآخر ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱) Encyclopaedia Britanica, Vol: 15, U.S.A. 1974, P: 285

(۲) لاہوری، مفتی غلام سرور، تاریخ مخزن پنجاب، لاہور، دوست ایسوی ایٹس ۱۹۹۶ء، ص ۱۹۱

(۳) فریدکوٹی، عین الحق، ''پنجابی کی ابتداء ونشوونما'' تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، لاہور، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۱ء، ج ۱۳، ص ۲۱۲

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ ''پنجاب''، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۵ء، ج ۵، ص ۶۵۰

(۵) محمد اکرام، شیخ، پاکستان کا ثقافتی ورثہ، مترجم (اردو) افتخار احمد شروانی، طبع اول لاہور)، ادارہ ثقافت اسلامیہ، مارچ ۲۰۰۱ء، ص: ۴۲

(۶) ایضاً ص: ۴۴

(۷) ایضاً ج ۵، ص ۶۵۱

(۸) ایضاً ج ۵، ص ۶۵۱

(۹) ایضاً، ج ۵، ص ۶۵۱

(۱۰) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵، ص ۶۵۱

(۱۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵، ص ۶۵۲

(۱۲) ہاشمی، فرید آبادی، سید، تاریخ مسلمان و بھارت، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۳ء، ج ۱، ص ۱۱۶

(۱۳) محمود شیرانی، حافظ، ''پنجاب میں اردو''، ادارہ ترقی ادب اردو، مزنگ، لاہور، ص: ۷۵، ۷۶، ۱۹۷۳ء

(۱۴) تاریخ فرشتہ، ص۲۴

(۱۵) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، ''پنجاب تحقیق کی روشنی میں''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۳۹

(۱۶) تاریخ فرشتہ، ص: ۵۹۵

(۱۷) ''پنجاب تحقیق کی روشنی میں'' ص۲۲۸

(۱۸) ایضاً ص۲۳۱

(۱۹) ایضاً ص۱۳۱،۱۳۲

(۲۰) پنجاب تحقیق کی روشنی میں، ص۲۶۲

(21) Count Hans Von Keonigmark, (A German Staff Officer in India) Eng. tr by P.H Oahley Williams, London, 1910, P: 182

(22) Devendra Handa, The Punjab Past and Present Vol: IV, Part-I, S.No. 7 April, 1970, P: 20

(۲۳) ملک، اکرام علی، تاریخ پنجاب، لاہور، سلمان مطبوعات، ص۱۹۹۰ء، ۵۷

(۲۴) بدر، کرم الٰہی، تاریخ ملتان، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۸۱

(۲۵) مبارک پوری، قاضی اطہر، مولانا، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۸۱ء، ص۲۲۶، ۲۲۷

(۲۶) محمد طفیل، نقوش لاہور، ''لاہور نمبر''، جلد شمارہ، ۱۹۶۲ء، ص۱۶۲

(۲۷) اکرام علی ملک، تاریخ پنجاب، ج۱، ص۸۳

(۲۸) بخشیش سنگھ نجر، ''پنجاب انڈر دی سلطانز''، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص۱۱۸_۱۲۳

(۲۹) محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۸ء، ص۹۴_۱۰۸

(30) S.S. Thorburn, The Punjab in Peace and War, Page: 23, 1940

(۳۱) صفیہ بانو، ڈاکٹر، انجمن پنجاب ''تاریخ وخدمات، کراچی، کفایہ اکیڈمی، ۱۹۷۸ء، ص۸۴

(۳۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، تنقیحات، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، شاہ عالم مارکیٹ، ۱۹۶۴ء، ص۱۹

(۳۳) عزیز احمد، پروفیسر ''برصغیر میں اسلامی کلچر'' ص۱۱۳_۱۱۴

(۳۴) محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، جون۲۰۰۲ء، ص۱۸۹

(۳۵) آب کوثر، ص۲۷_۲۸۴

(۳۶) الکوفی، علی بن حامد بن ابی بکر، چچ نامہ، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸۵

(۳۸) مقدسی بشاری، احسن التقاسیم، بیروت، ۱۹۸۷، ص ۴۷۸

(۳۹) محمد شجاع الدین، سیاسی اور ثقافتی تاریخ، نقوش لاہور، لاہور نمبر، ۱۹۶۲ء، ص: ۳۸

(40) M. Baqir, Lahore: Past and Present, Lahore, 1984, PP 15-16

(۴۱) اکرام علی، ملک، تاریخ پنجاب، ص: ۷۵

(۴۲) پنجاب انڈر روی سلطانز، ص: ۱۸۴_۱۸۶

(۴۳) رود کوثر، ص: ۹۴، ۱۰۸

(۴۴) رود کوثر، ص: ۲۴۷

(۴۵) پنجاب تمدنی و معاشرتی جائزہ، ص: ۲۰۷

(۴۶) انجم رحمانی، قرآنی خط کا ارتقاء، مجلہ کاوش، لاہور، ۹۶_۱۹۹۵ء، ص: ۷

(۴۷) نقوش لاہور، ص ۵۳۶_۵۳۷

(۴۸) ایضاً، ص: ۵۳۷

(۴۹) قریشی، اشتیاق حسین، جدوجہد پاکستان، ترجمہ (اردو) ہلال احمد زبیری، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی ۱۹۸۴ء، ص ۴۳

(۵۰) محمد اکرام، شیخ: موج کوثر، ص: ۷۴

(۵۱) ایضاً ص: ۷۳